محمد بلال

حیات امین احسن

(۱۳)

باب ۱۳

ادارۂ تدبر قرآن و حدیث

جب ''تدبر قرآن'' کا کام اپنی تکمیل کی طرف بڑھ رہا تھا تو امین احسن یہ کہا کرتے تھے کہ اس تفسیر کے بعد اگر عمر اور صحت نے اجازت دی تو اس طرح کی ایک کتاب حدیث پر بھی لکھیں گے۔ وہ اس بارے میں اپنے شاگردوں اور رفقا سے مشورہ بھی کرتے رہتے تھے۔ ان سب کی غالب رائے یہی تھی کہ مولانا کو باقی عمر حدیث کے کام کے لیے وقف کرنی چاہیے۔ اس دوران میں جاوید احمد صاحب غامدی نے یہ تجویز دی کہ اس مقصد کے لیے ایک ادارہ قائم کر لیا جائے۔ چنانچہ امین احسن نے فیصلہ کیا کہ حلقۂ تدبر قرآن کو جو ان کی اور خالد مسعود صاحب کی نگرانی میں کام کر رہا تھا، وسعت دے کر ایک ادارہ کی شکل دے دی جائے اور آیندہ کام اس کے تحت کیے جائیں۔ یہ ادارہ ''ادارۂ تدبر قرآن و حدیث'' کے نام سے ایک دستور کے تحت یکم محرم ۱۴۰۱ھ کو محمد نعمان علی صاحب کی اقامت گاہ پر قائم ہوا۔ امین احسن اس کے صدر اور خالد مسعود صاحب اس کے ناظم مقرر ہوئے۔

اس ادارے کے تحت امین احسن نے ہفتہ وار درس قرآن کا وہی سلسلہ جاری رکھا جس کا آغاز ان کی گاؤں سے واپسی پر ہو چکا تھا۔ اس طرح انھوں نے ہفتہ وار نشست میں حدیث کے اصولوں پر لیکچر دیے، جو اس وقت ''مبادی تدبر حدیث'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ حدیث کے حوالے سے پہلے موطا امام مالک

اور اس کے بعد بخاری کا درس ہوا۔ موطا تو پوری پڑھائی گئی، مگر بخاری کا درس ۱۹۹۳ء میں معطل ہو گیا۔ ادارہ کی تحقیقات اور امین احسن کے دروس کی اشاعت کے لیے رسالہ ''تدبر'' جاری ہوا، جو ایک سلسلۂ منشورات کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔ اسی دور میں امین احسن نے فلسفے کے بنیادی مسائل پر قرآن کا نقطۂ نظر بیان کیا، جو ''فلسفہ کے بنیادی مسائل'' کے نام سے کتابی صورت میں چھپا۔ اسی طرح ان کی کتاب ''تزکیۂ نفس'' شائع ہوئی۔

حواشی

امین احسن کی تمام کتابیں فاران فاؤنڈیشن شائع کرتا ہے، جس کے مالک ان کے شاگرد ماجد خاور صاحب ہیں۔ انھوں نے امین احسن کو کتب کے اشاعت کی پریشانیوں سے آزاد کیے رکھا۔

باب ۱۴

وفات

۱۹۹۳ء تک امین احسن کی عمومی صحت بہت اچھی تھی۔ اس کے بعد عارضۂ قلب کا شکار ہوئے۔ اس بیماری سے بھی نجات پالی تھی۔ ۱۹۹۳ء میں بڑھاپے کی کم زوری کے باعث ان کے دروس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۸۹ برس تھی۔ اس کے باوجود وہ علمی مسائل میں رہنمائی دیتے رہے، مگر ۱۹۹۵ء میں فالج نے حملہ کر دیا۔ اس کے بعد مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

عبدالرزاق صاحب اپنی ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۶ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

> ''آج مولانا سے تقریباً ۲ سال بعد ملاقات کی۔ ملاقات کیا کی فقط ان کی زیارت ہی کی۔ مولانا کو دیکھ کر بے حد دکھ اور افسوس ہوا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹے تھے۔ وہ نہایت کمزور اور نحیف ہو چکے ہیں۔ فالج کے حملہ کے بعد ان کی سماعت اور گویائی شدید متاثر ہوئی ہے اور اب بمشکل ہی پہچانتے ہیں۔
>
> خالد مسعود صاحب نے مولانا کو پشت سے تکیہ کی ٹیک دے کر بٹھائے رکھا۔ مولانا کبھی کبھی چہرہ اوپر کر کے ساتھیوں کو دیکھتے مگر اب ان کی آنکھوں اور ان کے چہرے کے تاثرات سے واضح تھا کہ وہ خود بڑی بے بسی محسوس کر رہے ہیں۔ مولانا کی یہ حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میرے سامنے صدی کا

سب سے بڑا مفسرِ قرآن تھا جو اب نہ خود حرکت کر سکتا تھا نہ اپنے اظہار کے لیے بولنے پر قادر تھا۔ ایسی بے بسی، ایسی مجبوری..... ! مولانا کے پاس ہم آدھا گھنٹہ بیٹھے رہے۔" (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۷۹)

۱۹۹۷ء میں مرض میں اضافہ تو رک گیا، مگر نقاہت بڑھتی چلی گئی۔ اس کے باوجود خاص اعزہ، احباب اور شاگردوں کو پہچانتے، ان کے ساتھ بات کرتے، انھیں خوش آمدید کہتے اور انھیں الوداع کہتے تھے۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں ان کے شاگرد خالد مسعود حج کر کے وطن لوٹے تو ان کے پاس حاضر ہوئے اور مصافحہ کر کے بیٹھنے لگے تو امین احسن نے معانقہ کے لیے فوراً ہاتھ اٹھا دیے کہ حاجیوں سے ملنے کا یہی دستور ہے۔ نومبر میں ان کی غذا بہت کم ہو گئی۔ نقاہت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ لوگوں کو پہچاننے میں مشکل پیش آنے لگی۔ بات کرنا بھی کم و بیش ناممکن ہو گیا۔ جسم تیزی سے گھلنے لگا۔

عبدالرزاق صاحب کی ۱۵/ جون ۱۹۹۷ء کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے:

"آج ادارہ کے اراکین کے ساتھ مولانا اصلاحی صاحب کی عیادت کے لیے گیا۔ اکتوبر ۹۶ء میں مولانا کی جو حالت تھی اس کی نسبت اب وہ کافی بہتر تھے۔ صحت بھی اچھی لگ رہی تھی۔ انھوں نے ساتھیوں کو پہچان لیا قوتِ گویائی متاثر ہونے کی وجہ سے وہ مدعا بیان نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا اپنے ساتھیوں سے باتیں کرنا چاہتے تھے اور کوشش بھی کی مگر اس کا سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ وہ بس اونچی آواز سے کچھ کہہ دیتے ہیں جسے سمجھا نہیں جا سکتا۔" (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۷۹)

۱۸/ جولائی ۱۹۹۷ء کو دوپہر سوا گیارہ بجے راقم بھی کچھ احباب کے ساتھ امین احسن کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ ہماری گاڑی اصلاحی صاحب کے گھر کے سامنے دوپہر سوا گیارہ بجے رکی۔ ہم ایک بیرونی اور ایک اندرونی دروازے سے گزرے۔ پھر سیڑھیاں اتر کر اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں صاحب —— "تدبر قرآن" صاحب فراش تھے۔ وہ بالکل سیدھے لیٹے سو رہے تھے، لیکن عینک بدستور لگی ہوئی تھی۔ وہاں موجود اصلاحی صاحب کے نواسے، معاذ نے سوچا کہ یہ عینک نانا ابو کو تکلیف نہ دے رہی ہو، وہ آگے بڑھا اور بڑی آہستگی سے عینک اتارنے لگا۔ ابھی اس نے عینک کو ذرا کھینچا ہی تھا کہ امین احسن جاگ گئے —— ہاں انھیں جاگ ہی جانا چاہیے تھا۔ منذرین کو کھٹکے کی نیند ہی سونا چاہیے —— امین احسن نے ہماری طرف دیکھا۔ ہم نے آگے بڑھ کر باری باری مصافحہ کیا۔ امین احسن نے ہم سب کے چہرے پر اس طرح ہاتھ پھیر کر پیار کیا، جس طرح ایک باپ اپنے بچے کو پیار کرتا ہے۔ امین احسن ہمارے باپ ہی تو ہیں، معنوی باپ، بلکہ روحانی باپ۔ حقیقی والدین ہمیں عدم سے وجود میں لانے کا ذریعہ بنے اور اصلاحی صاحب ہماری فکر پر عرفان کی راہیں کھولنے کا وسیلہ بنے۔

آ...آپ...کا...حال؟امین احسن نے اس طرح یہ الفاظ ادا کر کے ہماری خیریت دریافت کی۔ان کی قوت سماعت کی کم زوری کے باعث ہم نے اشارے سے کہا: ہم سب خیریت سے ہیں۔

پھر معاذ نے نانا جان کو سہارا دے کر بٹھا دیا۔امین احسن کئی قسم کے امراض میں مبتلا ہیں۔ایک مرض کی تفصیل بتاتے ہوئے معاذ نے کہا کہ ان کا خون اتنا پتلا ہو چکا ہے کہ ٹیکہ لگانے کے بعد اسے پٹی باندھ کر روکنا پڑتا ہے۔ وہ خود جم کر نہیں رکتا۔ایسی حالت میں کسی عام آدمی سے اس کا حال پوچھیں تو وہ آہیں بھرتے ہوئے اپنی تکلیفوں کی ایک فہرست گنوا دے گا۔ خدا اور خدائی سے شکووں اور شکایتوں کا دکھڑا روئے گا، مگر جب معاذ نے آپ سے پوچھا: نانا ابو، آپ کو اس طرح بیٹھنے سے کوئی تکلیف تو نہیں ہو رہی؟تو امین احسن نے جواب دیا:

یہاں (اس دنیا) کی... تکلیف بھی... آرام دہ ہے۔

امین احسن کی زبان کچھ رواں ہو گئی تھی۔ وہ الفاظ کو ایک حد تک صحیح ادا کرنے لگے تھے۔میں نے اسے موقع غنیمت سمجھا اور معاذ سے کہا: انھیں کہیں کہ ہمیں کوئی نصیحت کریں...امین احسن نے ہمیں نصیحت کرتے ہوئے کہا:

صبر کریں...(دوسروں کو آرام دیں)...دوسروں کے آرام سے آرام ملتا ہے۔

امین پونے دو سال سے بستر سے لگے ہوئے تھے۔چارہ گروں کا کہنا تھا کہ وہ اب اسی حالت میں رہیں گے۔ اس کیفیت میں انھوں نے صبر کا لفظ استعمال کیا، جس سے ظاہر ہے کہ یہاں صبر سے مراد عجز اور مسکنت نہیں، جو بے بسوں اور درماندوں کا شیوہ ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد مصائب و شدائد میں اپنے آپ کو گھبراہٹ اور مایوسی سے بچا کر بندگی رب پر قائم رکھنا اور ہر حال میں ثابت قدم رہنا ہے۔

چنانچہ دیکھیے بڑھاپے اور خرابی صحت کی اس حالت میں بھی اصلاحی صاحب کے قول اور فعل میں مطابقت کا عالم: معاذ نے بتایا عموماً جب اذان ہوتی تو نانا ابو کانوں کے قریب ہاتھ لا کر نیچے کر لیتے تھے۔اس دوران میں ہم ان سے کوئی بات کرتے تو وہ جواب نہ دیتے، جس پر ہم گھبرا جاتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت نانا ابو (اشاروں سے) نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔

ایک موقع پر ہم نے معاذ سے پوچھا کہ اصلاحی صاحب کی اس وقت ٹھیک ٹھیک عمر کیا ہے؟ تو معاذ نے غیر یقینی لب و لہجے میں سوچتے ہوئے کہا: ۹۳ یا ۹۴ سال۔ پھر ٹھیک ٹھیک عمر جاننے کے لیے اس نے پوچھا: نانا ابو آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟امین احسن نے سوچتے ہوئے کہا:

... سن...

پھر ساری زندگی خود نمائی سے گریز کرنے والے اصلاحی صاحب نے قدرے بے زاری سے کہا:

”کیا کرو گے پوچھ کے!“

اس دل نواز ملاقات سے ہم سب کی طبیعت شاد ہو گئی۔ جب ہم ان کے گھر سے باہر نکلے تو اصلاحی صاحب کے ہاتھوں کا شفیقانہ لمس اور ان کی حکیمانہ باتوں کا ”اثاثہ“ ہمارے ساتھ تھا۔ اس موقع پر صاحب ”تدبر قرآن“ نے ہمیں دوسروں کو آرام دینے کی نصیحت کی۔

عبدالرزاق صاحب اپنی ۱۰/ اگست ۱۹۹۷ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

”مولانا کو میں نے سہارا دے کر اٹھایا اور کمر کے پیچھے تکیہ رکھ دیا۔ اس دوران مولانا زور سے اپنے دانتوں کو رگڑتے رہے۔ شاید انھیں دانتوں میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر شہباز (حلقے کے رکن) کہنے لگے کہ شاید انہیں اس طرح کرنے سے سکون ملتا ہو، بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے مولانا کے ہاتھ کی انگلیاں جڑ سی گئی ہیں۔“ (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۷۹)

۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۷ء کی ڈائری میں عبدالرزاق صاحب نے لکھا:

”مولانا نے جب ساتھیوں کو دیکھا تو بڑی مشکل سے فقط... آ... پ...!!! ہی کہہ سکے۔ کسی نے ملازم سے پوچھا کہ مولانا کھانے پینے میں ضد تو نہیں کرتے۔ ملازم نے جواب دیا کہ جب بھی مولانا سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کیا کھائیں گے تو وہ بس یہی جواب دیتے ہیں ”جو مل جائے۔“ (سہ ماہی تدبر اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۹۰)

امین احسن کی حالت بہت تشویش ناک ہو چکی تھی۔ ہر وقت دھڑکا رہتا تھا کہ کوئی بھی جھونکا ان کا ٹمٹماتا ہوا چراغِ زندگی بجھا سکتا ہے، اور ایسا ہی ہو گیا۔

۱۵/ دسمبر ۱۹۹۷ء صبح ۳ بجے محفل صداقت کی یہ شمع بجھ گئی۔ ”امین فراہی“ فراہی کی امانت اس کے مستحقین تک پہنچا کر اپنے مالک کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ ان دنوں امین احسن ڈیفنس لاہور میں اپنے بیٹے ابوسعید اصلاحی صاحب کے گھر میں مقیم تھے۔ اسی دن صبح اور پھر دوپہر کے وقت ہم کچھ احباب ان کے گھر گئے۔ وہاں تعزیت کے لیے آنے والے مرد حضرات کو اسی کمرے میں بٹھایا جا رہا تھا جہاں امین احسن درس قرآن اور درس حدیث دیا کرتے تھے۔ وہاں بیٹھے ہوئے بار بار مجھے ان کی باکمال شخصیت کے مختلف پہلو یاد آ رہے تھے، ان کا مسکراتا ہوا سرخ و سفید چہرہ ان کی سوچتی ہوئی آنکھیں، ان کے چمکتے ہوئے بال... ان کی مشکلات قرآن کی

عقدہ کشائی، ان کی پیچیدہ احادیث میں واضح رہنمائی، ان کی نحوی مسائل میں باریک بینیاں، ان کی سیاسی امور میں نکتہ آفرینیاں... ان کی معنی خیز لطیف طنز... ان کے بے لاگ گہرے تبصرے... ان کی سلطانی پر فائق دہقانی... ان کا اقتدار کے ایوانوں سے استغنا... ان کا شدائد و مصائب میں صبر و ثبات۔ آہ! یہ باتیں اب محض یادیں ہیں۔

اس کمرے میں جہاں ہمیں بٹھایا گیا تھا، امین احسن کی افسردہ صلبی اور روحانی اولاد بیٹھی، اپنی اپنی چشم تصور سے اپنے باپ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحوں کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ ان کی روحانی اولاد آنسوؤں سے بوجھل آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ باتیں کر رہی تھی:

''ایک دور ختم ہو گیا''... ''وہ ٹوٹ کر محبت کرنے والے تھے''... ''ان کے خلوص میں بہت گہرائی تھی''... بسا اوقات وہ بچوں کی طرح معصوم لگتے تھے''... وہ رات ۳ بجے کے قریب فوت ہوئے۔ یہ ان کا پسندیدہ وقت تھا۔ اس وقت وہ خدا کے حضور گریہ وزاری کیا کرتے تھے''... ''وہ اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ جسم پر گوشت نظر نہیں آتا تھا۔ بس ہڈیاں اور جلد دکھائی دیتی تھی۔''... ''دعا کریں، خدا اس چیز کو ان کے لیے کفارہ بنا دے''... ''بیماری میں بھی ان کا لب ولہجہ بہت حوصلہ افزا ہوتا تھا''... ''وہ جزع فزع کرنے والے آدمی نہیں تھے۔''... ''حال پوچھیں تو بسا اوقات کہتے: بہت اچھا ہے''... ''وہ صبر کا پہاڑ تھے۔''

انھوں نے جب اپنا رسالہ ''میثاق'' جاری کیا تو انھیں کسی کی تحریر کم ہی پسند آتی تھی، اس لیے شروع شروع میں رسالے کے سارے مضامین خود ہی تحریر کیا کرتے تھے... وہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۷ء میں وفات پائی۔ ان کا کام ایک صدی پر محیط ہے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ بیسویں صدی درحقیقت علم و عرفاں کے اعتبار سے فراہی واصلاحی کی صدی ہے، بلکہ ایسے محسوس ہوتا ہے، جیسے اب ہر صدی انھی کی صدی ہے۔ دراصل ان ہستیوں نے علم و تحقیق کے سمندر کی تہ سے، جو گوہر نایاب تلاش کیے ہیں، وہ ایسے گوہر ہیں جو ہر صدی میں چمکتے، دمکتے اور اپنی اہمیت منواتے رہیں گے۔ ان کا کام ایک ایسا مضبوط درخت ہے جو ہمیشہ پُربہار، پُراثمار اور گل و گلزار رہے گا۔

اسی کمرے میں، جہاں ہم تعزیت کے لیے بیٹھے ہوئے تھے، ایک خوب صورت شیلف میں ''تدبر قرآن'' کی تمام جلدیں ایک ترتیب سے پڑی ہوئی تھیں، جلد پر چھپے ہوئے سنہری الفاظ ''تدبر قرآن'' سے کمرے کے قمقموں کی روشنی منعکس ہو رہی تھی۔ خدا کرے، قیامت میں ''صاحب تفسیر'' کے گرد اسی طرح روشنی کا ہالہ ہو!

جب تعزیت کے لیے آنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو ہم گھر کے لان میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

میں بھی ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک سب لوگ ایک طرف دیکھ کر کھڑے ہو گئے، میں نے اس طرف دیکھا۔ اس طرف سے کبھی اصلاحی صاحب کو ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے، کبھی مسکراتے ہوئے اور کبھی سوچتے ہوئے باہر آتے دیکھا تھا۔ اب وہیں سے ان کا جنازہ آرہا تھا... آخرت کی تذکیر کرنے والا سفر آخرت پر جارہا تھا۔

لوگ جنازے کو کندھا دینے کے لیے بے تابی سے لپکے، گیٹ کے قریب صحن میں جنازہ آخری دیدار کے لیے زمین پر رکھ دیا گیا۔ میں بھی ہجوم کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا جنازے کے قریب پہنچا، کفن میں لپٹا ہوا شہر بیدار کا سردار ابدی نیند سو رہا تھا۔

قریبی مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نمایاں شخصیات میں خالد مسعود صاحب، جاوید احمد صاحب غامدی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، مصطفیٰ صادق صاحب، مجیب الرحمٰن شامی صاحب اور عطاء الرحمٰن صاحب نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ قاضی حسین احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وہاں دیگر جماعتوں کی بہ نسبت جماعت اسلامی کے اکابرین سب سے زیادہ تھے، حالاں کہ امین احسن نے جماعت اسلامی پر بہت سخت تنقید کی، لیکن یہ ان کی شخصیت اور ان کے کام کی عظمت تھی کہ جماعت اسلامی کے اکابرین کے دلوں میں آپ کے ساتھ عقیدت ہمیشہ قائم رہی۔

پھر ایمبولینس کے ذریعے سے ڈیفنس ہی کے ایک قبرستان کی طرف جنازہ لے جایا گیا... اتفاق سے ایک درخت کے سایے میں قبر بنائی گئی تھی۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر ایسے محسوس ہوا، جیسے دستِ قدرت، رحمت بن کر اصلاحی صاحب کے اوپر سایہ کیے ہوئے ہو۔ پھر امین احسن کا جسد خاکی اٹھایا گیا اور اہل زمیں کے ایک محسن عظیم کو زمین میں اتار دیا گیا۔ آہ:

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

کچی قبر بنی، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور پھر قبر پر پھول بکھیر دیے گئے، لیکن ان پھولوں کی خوشبو اس خوشبو کی بہ نسبت بہت عارضی اور بہت محدود تھی جو خوشبو امین احسن نے اپنے قلم، اپنی زبان اور اپنے کردار سے پھیلائی۔

امین احسن کی وفات پر مدرستہ الاصلاح اور ادارہ علوم القرآن میں منعقد ہونے والے تعزیتی اجلاس کی رودادیں حسب ذیل ہیں:

> ”منعقدہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر ۱۶/ دسمبر ۱۹۹۷ء بمطابق ۱۵ شعبان ۱۴۱۸ھ یہ خبر کہ مدرستہ الاصلاح کے گل سر سبد معروف مفسر قرآن، ترجمان فراہی، جناب مولانا امین احسن اصلاحی طویل علالت کے بعد کل ۱۴/ شعبان ۱۴۱۸ھ وقت سحر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ یہ خبر صحن مدرستہ الاصلاح میں

بجلی بن کر گری جس سے مدرسہ کے چپہ چپہ پر غم والم کی دبیز کہر چھاگئی۔ سالانہ امتحان اور دوسری تمام مصروفیات یک لخت ملتوی کر دی گئیں اور مدرسہ کی وسیع مسجد میں اساتذہ، طلبہ اور ذمہ داران جمع ہوئے، مولانا کی عظیم علمی و قرآنی خدمات کو یاد کیا۔ انھیں خراج تحسین پیش کیا، اپنے رنج و غم کا اظہار کیا اور حسب ذیل قرار داد منظور کی:

۱۔ مدرستہ الاصلاح کے اساتذہ و طلبہ کا یہ اجلاس مدرسہ کے اس عظیم فرزند اور فقید المثال مفسر قرآن، جانشینِ فراہیؒ مولانا امین احسن اصلاحی کی وفات حسرت آیات پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ یہ اجلاس کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے کہ مولانا مرحوم مدرستہ الاصلاح کے لیے سرمایۂ افتخار تھے اور ہیں۔ قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم نے فکر فراہی کی روشنی میں علمی، قرآنی، فکری، تحقیقی، تصنیفی، دعوتی، تحریکی، تعلیمی اور سیاسی میدان میں جو بے مثال خدمات انجام دی ہیں اور ایک خاص نہج عطا کیا ہے وہ ملت اسلامیہ کے لے نہ صرف قیمتی متاع اور قابل قدر سرمایہ ہے بلکہ ایک ایسا منارۂ نور ہے جس سے ملت اسلامیہ کے اہل علم وفکر صدیوں کسب نور اور اخذ واستفادہ کرتے رہیں گے۔

۳۔ مولانا مرحوم آسمان علم و تحقیق کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کی وفات سے علمی دنیا پر تاریکی سی چھاگئی ہے اس لئے مولانا کا سانحۂ ارتحال نہ صرف مدرستہ الاصلاح بلکہ عالم اسلام کا نا قابل تلافی نقصان اور عظیم حادثہ ہے۔

۴۔ یہ اجلاس بارگاہ خداوندی میں اشکبار آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی عظیم خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ان کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اعلیٰ علیین میں شہداء و صدیقین کی صف میں جگہ دے۔ ان کی وفات سے ملت اسلامیہ کا جو عظیم خسارہ ہوا ہے اس کی تلافی کی سبیل پیدا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین!

منجانب

اساتذہ و کارکنان و طلبہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر

منعقد ادارۂ علوم القرآن سر سید نگر علی گڑھ

ادارۂ علوم القرآن (سر سید نگر، علی گڑھ بھارت) کے زیر اہتمام ۱۸/ دسمبر کو ایک تعزیتی نشست زیر صدارت پروفیسر اشتیاق احمد صاحب (مولانا امین احسن اصلاحی کے بھتیجے) منعقد ہوئی جس میں ادارہ کے

متعلقین کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے متعدد اساتذہ وطلبہ شریک ہوئے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی ریڈر شعبۂ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ابتدائی کلمات کے طور پر مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر روشنی ڈالی اور ان کی قرآنی خدمات کا جائزہ لیا۔ آپ نے فرمایا:

''مولانا کا انتقال نہ صرف ان کے اعزہ واقربا، متعلقین مدرستہ الاصلاح اور وابستگان تحریک اسلامی کے لئے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لے ایک عظیم سانحہ ہے۔ مولانا نے پورے ۷۵ سال تک قرآنی علوم اور تحریک اسلامی کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ مولانا فراہیؒ کے انتقال کے بعد ان کے تشکیل کردہ خطوط پر مولانا مدرسہ کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اس فکر کی توسیع واشاعت کے لیے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کیے۔ مولانا فراہیؒ کے تفسیری اجزاء کے ترجمہ، الاصلاح کی ادارت، دائرۂ حمیدیہ کی علمی سرگرمیوں، تحریک اسلامی کی قیادت اور اس کے علاوہ بھی مولانا نے بہت سی علمی ودینی خدمات انجام دیں۔ قرآن مجید، حدیث، فقہ، تاریخ اسلامی، اسلامی ریاست، اور ان کے علاوہ دوسرے موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ درس وتدریس، مذاکرہ ومباحثہ، تحقیق وتصنیف، غرض کہ ہر ممکن ذریعہ سے قرآنی فکر کو عام کرنے کی کوشش کی۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن سے وابستگی، قرآنی علوم سے لگاؤ، قرآنی فکر کو پروان چڑھانے کا بے پناہ جذبہ مولانا کی ذات کا خاصہ تھا۔ ان کی یہ قرآنی خدمات ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی لیکچرر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جنہوں نے متعدد بار پاکستان کا سفر کیا ہے اور مولانا سے ملاقات وگفتگو کا شرف بھی ان کو حاصل رہا ہے اور اس بنا پر یہ بات فطری ہے کہ ان کے اوپر اس سانحہ کا اثر زیادہ تھا، کچھ زیادہ تھا، کچھ زیادہ گفتگو نہ کر سکے البتہ آپ نے مولانا سے اپنی ملاقاتوں کے حوالہ سے چند واقعات کا بطور خاص ذکر کیا جن سے مولانا کی وسیع الجہات شخصیت کے کئی نمایاں گوشے ابھر کر سامنے آئے۔ آپ نے کہا کہ آخر وقت میں مولانا مرحوم اپنے وطن اعظم گڑھ آنے کے لیے بہت مضطرب اور بے چین رہا کرتے اور مدرستہ الاصلاح آنے کا ہر وقت خواب دیکھا کرتے تھے۔ مولانا کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح مدرستہ الاصلاح پہنچ جائیں۔ مدرسہ اور متعلقین مدرسہ کا ذکر ہوتا تو مولانا آبدیدہ ہو جاتے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی ریڈر شعبۂ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے صرف دو عظیم شخصیتوں سے ملنے کی خواہش تھی۔ ایک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور دوسرے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی ذات گرامی تھی۔ مولانا مودودیؒ سے ملنے پاکستان جانا ہوا مگر اس وقت وہ بیمار تھے اور ان

سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ البتہ دوسرے سفر میں مولانا امین احسن اصلاحی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، مگر اس وقت جب مولانا بالکل معذور ہو چکے تھے۔ مولاناؒ نے پاکستان میں قرآن فہمی اور فکر فراہی کا ایک بڑا حلقہ قائم کیا ہے اور متعدد ادارے اس فکر کو پروان چڑھانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، صدر ادارۂ علوم القرآن اور مدیر مجلہ علوم القرآن نے بھی مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا آج ہمارے سر سے ایک سایہ تھا جو اٹھ گیا۔ ہم اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مدرستہ الاصلاح کو ایک علمی مرکز کی حیثیت دینا، وہاں علمی مزاج پیدا کرنا، باصلاحیت شاگردوں کا ایک حلقہ قائم کرنا جو اس فکر اور اس کام کو آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتے تھے، مولاناؒ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اپنے زمانہ کے زبردست خطیب و مقرر تھے۔ مدرستہ الاصلاح کے اطراف میں اصلاح معاشرہ کی جو تحریک چل رہی تھی اس میں مولانا کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی رکن ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ نے فرمایا کہ مولانا نے قرآنی علوم کی یکہ وتنہا جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ایک شخص کا نہیں، ایک اکیڈمی کا کام ہے۔ مولانا کا کام بہت ہی منظم اور اوریجنل ہے۔ مولانا ایک عظیم مفکر اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ مولانا کے کارنامے ہمہ جہتی ہیں۔ مترجم، مفسر، خطیب، ادب شناس ہونے کے علاوہ بے شمار دوسرے کمالات ان کی ذات میں جمع تھے۔ اللہ نے ان کو توفیق دی کہ انھوں نے تاحیات ان صلاحیتوں کو اللہ ہی کی راہ میں کھپا دیا۔ ان کا حق ہے کہ آئندہ ان کی شخصیت اور خدمات پر ریسرچ و تحقیق کا کام ہو اور ان کے منصوبوں کو آگے بڑھایا جائے جو ان کو زندگی بھر عزیز رہے۔ تدبر قرآن ان کی شاہکار تفسیر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے تدبر قرآن کا کام ساٹھ سال کی عمر میں اس وقت شروع کیا جب کہ عام لوگ اس عمر میں تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ مولانا ہی کا حوصلہ اور عزم تھا کہ اس کو مکمل کر کے اپنے استاد کا حق ادا کر دیا۔ انھوں نے عزوجاہ اور مالی منفعت سے بے نیاز ہو کر جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ لائق تقلید اور قابل رشک ہے۔ اصلاحی برادری پر فرض ہے کہ اس کام کو آگے بڑھائے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا جیسی شخصیتیں خاندان، وطن، ادارے اور رشتوں ناتوں سے بالا ہوا کرتی ہیں۔ مولانا مرحوم پوری انسانیت اور پوری کائنات کی میراث ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی حالیہ ۳۰/ اکتوبر ۹۷ء کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے فخر ہے کہ مولانا کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ ستر برس سے زیادہ تصنیف وتالیف کا کام کرنا خود بہت بڑا کارنامہ ہے۔ پاکستان میں مولانا نے متعدد قرآنی حلقے قائم کیے اور پیغام ربانی کو ہر خاص وعام تک پہنچایا۔ پاکستان کے خواص وعوام ہر ایک مولانا کا عقیدت مند ہے مولانا کے درس قرآن میں ہمیشہ شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا، جس کے ذریعہ سے انہوں نے کئی نسلوں کو متاثر کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی نے بھی اپنے احساسات وجذبات ظاہر کیے اور بالخصوص تحریک اسلامی کے حوالہ سے ان کی خدمات کے بعض پہلوؤں کو واضح کیا۔ آخر میں مولانا عمید الاسلام قاسمی صاحب نے جو مولانا مرحوم کے ایک گہرے معتقد ہیں، اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور انھی کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔ یہ نشست بعد عصر سے عشاء کے قریب تک چلی۔ درمیان میں مغرب کے لیے وقفہ رہا۔ ادارۂ علوم القرآن کی جانب سے اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ ان شاءاللہ مولاناؒ کے مشن کو جاری و باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ علوم القرآن کا آئندہ شمارہ ان شاءاللہ مولانا امین احسن اصلاحی نمبر کے طور پر شائع کیا جائے گا۔ صدر ادارہ نے یہ امید ظاہر کی کہ اہل علم، بالخصوص قرآنیات سے دل چسپی رکھنے والے، اس عظیم منصوبہ کی تکمیل میں اپنا تعاون پیش کریں گے۔“

(ترتیب: اشہد رفیق ندوی، سکندر علی اصلاحی)

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۰۶-۱۰۹)